JAHAN-E-TAHQEEQ جہانِ تحقیق
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

قرآن کی فصاحت وبلاغت: تجزیاتی مطالعہ

Eloquence and Rhetoric of the Quran: An Analytical Study

☆**سیدہ ماہ جبیں**: پی ایچ ڈی ریسرچ اسکالر، انسٹیٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز، ایم وائے یونیورسٹی، اسلام آباد

☆☆**ڈاکٹر حافظ محسن ضیاء قاضی**: ایسوسی ایٹ پروفیسر ڈائریکٹر، انسٹیٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز اینڈ شریعہ، ایم وائی یونیورسٹی، اسلام آباد

Abstract

The Quran, the holy scripture of Islam, stands unparalleled in its eloquence and rhetoric. This analytical study delves into the unique linguistic features that distinguish the Quran from other literary works. The Quran's use of metaphors, similes, and allegories enhances its narrative, making it a profound text that resonates deeply with its readers. The study explores how the Quran's structure, with its rhythmic and phonetic qualities, captivates and engages its audience. It also examines the Quran's use of concise yet powerful expressions that convey deep meanings and wisdom. The interplay of syntax, diction, and semantics in the Quran is scrutinized to understand how they contribute to its overall impact and effectiveness in conveying its message. Furthermore, the study highlights the Quran's ability to address a wide range of subjects, from theology and law to guidance for personal conduct, all while maintaining a consistent and compelling style. This multifaceted approach not only reinforces the Quran's divine origin but also its timeless relevance. Through a comprehensive analysis, this study aims to shed light on the intricacies of the Quran's language, offering insights into its unmatched eloquence and rhetorical prowess.

***Keywords**: Quran, Eloquence, Rhetoric, Linguistic Analysis, Literary Features*

تعارف موضوع

قرآن پاک ایک معجزاتی کتاب ہے جو فصاحت وبلاغت میں بے مثال ہے۔اس مطالعے میں قرآن کے انوکھے ادبی خصوصیات کا تجزیہ کیا گیا ہے جو اسے دیگر ادبی کتب سے ممتاز کرتی ہیں۔قرآن کا اسلوب بیان، تشبیہات، استعارے اور تمثیلیں اس کی بیانیہ قوت کو بڑھاتی ہیں اور قاری کے دل میں گھر کر لیتی ہیں۔قرآن کا طرز تحریر، اس کی صوتی اور نحوی خصوصیات، اور الفاظ کی انتخاب و ترتیب اس کی بلاغت کو نمایاں کرتی ہیں۔اس مطالعے کا مقصد قرآن کی زبان کی باریکیوں کو اجاگر کرنا ہے اور یہ بتانا ہے کہ کیسے قرآن اپنے پیغام کو انتہائی مؤثر انداز میں پہنچاتا ہے۔قرآن مختلف موضوعات پر بات کرتا ہے، چاہے وہ الٰہی احکام ہوں، فقہ ہو یا ذاتی رہنمائی، اور ہر موضوع پر اس کا اسلوب منفرد اور دلکش ہے۔

فصاحت وبلاغت کا معنی

علم معانی کے علماء فصاحت وبلاغت کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں: فصاحت کبھی تو کلمہ کی توصیف میں ہوتی ہے اور کبھی کلام کی توصیف میں اور اس سے مراد کلام کا نامانوس، سنگین و ثقیل حروف و کلمات اور بے وزن اور بد آہنگ الفاظ سے پاک ہونا ہے۔اسی طرح ہلکے، رکیک، نفرت انگیز اور کان پھاڑنے والے بے ڈھنگے اور پیچیدہ اور مبہم الفاظ سے مبرا ہونا ہے۔اور بلاغت سے مراد کلام کا مقتضائے حال کے مطابق ہونا اور جس مقصد کی خاطر کلام جاری کیا گیا ہے اُس کے ساتھ مکمل طور پر مطابقت رکھتا ہو۔ بالفاظ دیگر فصاحت کی بازگشت، الفاظ کی کیفیت کی طرف ہوتی ہے جبکہ بلاغت معنی و مطالب کی کیفیت پر مشتمل ہے۔اسی طرح یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ فصاحت کلام کے نظام کی پہلوؤں کی طرف اور بلاغت اس کے معنویت اور مضامین کی طرف ناظر ہوتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ دونوں علمی پہلو رکھنے سے زیادہ ذوقی اور استعدادی پہلو رکھتے ہیں، لیکن

ذوق واستعداد بھی تعلیم و تربیت اور ان قواعد کی طرف توجہ دینے سے پھلتی پھولتی ہے جو اکثر فصحا اور بلغا کے کلام سے لئے جاتے ہیں۔ یہ بالکل شعری ذوق اور خوش خطی کی استعداد کی طرح ہے کہ جو اُستاد اور تعلیم کے ذریعے تکامل حاصل کرتی ہے۔

اعجاز قرآن اور فصاحت وبلاغت کا تعلق

بعض کا خیال ہے کہ اعجاز قرآن اور مختلف آیات میں معارضے کی دعوت بنیادی طور پر اس مطلب کی طرف ناظر ہے اور ممکن ہے درج ذیل نکات اسی مطلب پر شاہد ہوں:

ا۔اُس زمانے میں عربوں کی خصوصیت اور ہنر مندی فقط فصاحت وبلاغت میں ہی تھی یہاں تک کہ زمانہ جاہلیت کے اشعار فصاحت کی بلندیوں پر سمجھے جاتے تھے اور ہر سال طائف کے نزدیک تشکیل پانے والے ایک اقتصادی اجتماع میں کہ جسے " بازار عکاظ " کہا جاتا تھا، جس کا ایک اہم ترین پروگرام اُس سال کے بہترین اور خوبصورت ترین اشعار پڑھے جانا تھا۔ جب ان میں سے بہترین شعر کو انتخاب کیا جاتا تھا تو اسے ایک بلند مرتبہ ادبی شہ پارے کے طور پر خانہ کعبہ کی دیوار کے ساتھ لگا دیا جاتا تھا اور اس طرح سالہا سال کے بعد سات مشہور ادبی شہ پارے جمع کئے گئے تھے کہ جنہیں "معلقات سبع" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ بنابریں، اگر قرآن انہیں چیلنج کرتا ہے اور معارضے و مقابلے کی دعوت دیتا ہے تو اسے اس پہلو سے یہ دعوت دینی چاہیے۔

۲۔ مشرکین عرب قرآن اور پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے میں جو تعبیر استعمال کرتے تھے، اُس کے مطابق وہ قرآن کو" جادو "اور پیغمبر کو جادو گر" کہتے تھے، ممکن ہے یہ قرآن کی غیر معمولی جاذبیت اور کشش کی طرف اشارہ ہو کہ جو یقیناً کلام کی خوبصورتی اور فصاحت کے پہلوؤں پر مشتمل ہوتی ہے۔

۳۔ امام علی بن موسیٰ الرضاؑ سے انبیاءؑ کے معجزات کا اُس زمانے کے علوم وفنون کے مطابق ہونے کے متعلق ایک حدیث میں آیا ہے:" جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو مبعوث فرمایا تو اس وقت سحر اور جادو گری کا رواج عام تھا، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنی جانب سے ایک ایسی چیز اُن لوگوں کی طرف بھیجی کہ جو اُن کی قدرت سے باہر تھی اور اُن کے جادو کو باطل کر کے اُن پر اتمام حجت کر دیتی تھی، اور جب حضرت عیسیٰؑ کو مبعوث فرمایا تو اس وقت ناقابل علاج بیماریاں عام تھیں اور لوگوں کو اُن کے علاج کے لئے طب کی ضرورت تھی۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے ایک ایسی چیز بھیجی کہ جو اُن کے پاس نہیں تھی، جس سے اُن کے مردے زندہ ہو جاتے تھے اور مادر زاد نابینا لوگ اور پیسی میں مبتلا، بیمار اللہ تعالیٰ کے حکم سے (حضرت عیسیٰؑ کے ہاتھوں) صحت یاب ہو جاتے تھے، اور اس طرح اُن پر ان چیزوں کے ذریعے اتمام حجت ہو جاتی تھی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو اس وقت مبعوث فرمایا کہ جب اُس زمانے کے لوگوں پر (دلنشین اور فصیح و بلیغ) خطبات اور کلام کا غلبہ تھا(راوی کا کہنا ہے کہ میرے خیال میں امام نے شعر کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے)، اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنی جانب سے (فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے بلند ترین) مواعظ اور حکمت آمیز کلمات بھیجے کہ جو ان (مشرکین) کے کلام کو باطل کر دیتے اور اُن پر حجت تمام کر دیتے تھے۔ (1)

ان تمام قرائن سے پتا چلتا ہے کہ فصاحت وبلاغت کے لحاظ سے قرآن ایک معجزہ تھا اور اب بھی ہے، لیکن انصاف تو یہ ہے کہ یہ قرائن اس سے زیادہ کسی اور چیز کو ثابت نہیں کرتے کہ فقط فصاحت وبلاغت کے لحاظ سے ہی قرآن معجزہ تھا نہ کہ اس میں منحصر تھا، جبکہ قرآن مجید کے معجزہ ہونے کے دوسرے پہلو بھی بہت نمایاں ہیں۔

قرآن مجید کی اعجاز آمیز فصاحت وبلاغت

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

مزید توجہ اور آگاہی کے لئے فصاحت وبلاغت کے لحاظ سے قرآن کے معجزہ ہونے کے بارے میں درج ذیل نکات کی طرف توجہ ضروری ہے:

ا۔ جیسا کہ پہلے بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ ایام جاہلیت کے عرب فصاحت و بلاغت میں اس حد تک پہنچ چکے تھے کہ اس زمانے کے اشعار منجملہ "معلقات سبع" ابھی تک عربوں کے منتخب اشعار کے طور پر پہچانے جاتے ہیں، لیکن ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ نزول قرآن کے بعد انھوں نے وہ سب اشعار (خانہ کعبہ سے) اُتار لئے تھے اور قرآن کی بے مثال فصاحت کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے تھے، اور قرآن کا مقابلہ کرنے کے تمام محرکات کے باوجود اس کے مقابلے میں کوئی بھی چیز پیش نہ کر سکے۔ گذشتہ صفحات میں قرآنی جاذبیت کے موضوع کے بارے میں اس لحاظ سے قرآنی اثرات کے سلسلے میں کچھ زندہ اور واضح مثالیں پیش کی گئی ہیں۔

۲۔ پوری تاریخ میں ہمیشہ مردان حق کے مقابلے میں کچھ ایسے گروہ کھڑے ہو جاتے تھے کہ جن کا ناجائز مفاد خطرے میں پڑ جاتا تھا اور یہ لوگ ان مردان حق پر تہمتیں لگاتے تھے اور یہ تہمتیں جھوٹی اور بے بنیاد ہونے کے باوجود کچھ ایسی واقعیات کی حکایت بھی کرتی تھیں جو اُن کے ارد گرد موجود ہوتی تھیں۔ مثال کے طور پر پیغمبر اکرم لالایااسلم پر ایک تہمت جو لگائی گئی تھی وہ ساحر اور جادو گر ہونے کی تہمت تھی کہ جس کی بہت بڑے پیمانے پر تشہیر کی گئی تھی۔

سورہ مدثر کی آیت نمبر ۲۲،۲۵ میں ہم دیکھتے ہیں: " فَقَالَ إِنْ هَذَا إِلاَّ سِحْرٌ يُؤْثَرُ إِنْ هَذَا إِلاَّ قَوْلُ الْبَشَرِ " یعنی: "آخر کار (مشرکین کے سردار ولید نے) کہا: یہ قرآن (گذشتہ لوگوں کے جادو کی طرح ایک پر تاثیر جادو کے سوا کچھ نہیں، یہ سوائے کلام بشر کے اور کچھ بھی نہیں۔"

پیغمبر اس پر اس بے بنیاد تہمت کی اصل وجہ آیات قرآن کا حیرت انگیز اور غیر معمولی طور پر موثر ہونا تھا۔ قرآن جو کہ اپنی عجیب وغریب فصاحت و بلاغت کے ساتھ دلوں کو اپنی جانب کھینچ رہا تھا دشمنان قرآن اس کے اثرات کو غیر معمولی نہیں سمجھتے تھے اور اس کے لئے سوائے جادو وسحر کے اور کوئی کلمہ انتخاب نہیں کر سکتے تھے، چونکہ لغت میں ہر وہ غیر معمولی کام کہ جس کا سرچشمہ اور سبب معلوم نہ، جادو اور سحر کہلاتا ہے۔ اگرچہ وہ اس تہمت کے ذریعے ایک واضح حقیقت پر پردہ ڈال کر اعجاز الٰہی کا انکار کرنا چاہتے تھے، لیکن اپنے اس دعوی میں وہ نادانستہ طور پر قرآن کی عظمت کا اعتراف کر رہے تھے کہ جو جادو وسحر جیسی جاذبیت رکھتا ہے! اہل قلم اور ادباء کی کتابوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ عام طور پر ان کے دو واضح گروہ ہوتے ہیں: کچھ الفاظ کی خوبصورتی کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور کبھی تو معانی کو الفاظ پر قربان کر دیتے ہیں، اس کے برعکس ایک گردہ الفاظ کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا بلکہ اپنا پورا زور اور صلاحیت معانی کی گہرائی پر صرف کر دیتا ہے۔

اسی لیے ہمارے ادب کی تاریخ لکھنے والوں نے سابقہ بزرگ شعراء کی نگارشات کو ایک لحاظ سے) دو مختلف سبک میں تقسیم کیا ہے۔ سبک عراقی اور سبک ہندی۔

جن بزرگ شعراء نے پہلے سبک واسلوب کے مطابق شعر کہے ہیں انھوں نے اپنا ذوق اور استعداد زیادہ تر الفاظ کی خوبصورتی میں صرف کیا ہے جبکہ دوسرے سبک کے حامیوں نے اکثر اوقات دقیق معانی اور اس کی مخصوص ظرافتوں کو مد نظر رکھا ہے۔ اس بات کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بہت کم لوگ ایسے میں جنہوں نے ہر دو اسلوب کو اہمیت دی ہو اور اپنے بعد دلچسپ نگارشات
چھوڑی ہوں، لیکن وہ اپنے کام میں کسی حد تک کامیاب رہے ہیں، یہ بات تفصیل طلب ہے۔

چونکہ ہمیشہ مدنظر معنیٰ و مفہوم کو خوبصورت اور ہم آہنگ و دلچسپ الفاظ میں نہیں ڈھالا جاسکتا اور اس کی تمام باریکیاں منعکس نہیں سکتیں لہذا اکثر شاعر اہل سخن اور خطباءالفاظ کی زیبائی اور معانی کی خوبصورتی کے دوراہے پر کھڑے نظر آتے ہیں اور مجبوراً کسی ایک راستے کو اختیار کر لیتے ہیں۔ لہذا بہت سی منظومات اور نظروں میں معانی، آن اور قافیہ کی نذر ہو جاتے ہیں۔

لیکن جو لوگ عربی ادب سے آشنا ہیں اور پھر قرآن سے آگاہ ہوتے ہیں، تو دیکھتے ہیں کہ اس عظیم اپنی کتاب نے اس اہم خصوصیت کی معجزانہ حد تک حفاظت کی ہے اور اس میں الفاظ انتہائی شرین وندید، اس کے جملات بہت ظریف دریا اور کلمات موزوں اور ہم آہنگ انداز میں ادا ہوئے ہیں، اور یہ فصاحت وبلاغت کے لحاظ سے اعجاز قرآن کے پہلوؤں میں سے ایک پہلو ہے۔ قرآن اپنے معانی و مطالب کی ادائیگی میں کسی قسم کے تکلف سے کام نہیں لیتا اور اپنا مقصود بہت ہی وضاحت کے ساتھ بیان کر دیتا ہے اس کے باوجود اس کے معانی کو ایسے الفاظ کا لباس پہنایا گیا ہے جو خوبصورتی کی بلندیوں تک پہنچا ہوا ہے۔

شعراء اور اہل سخن کے درمیان یہ بات مشہور ہے کہ بعض مواقع پر بیان کی خوبصورتی کے لئے جھوٹے مبالغے سے کام لینا چاہیے مثلا بیابانوں میں لشکر کے گھوڑوں کے سموں سے اٹھنے والے گردو غبار سے زمین کے سات طبقات کو چھ اور آسمان کے سات طبقات کو آٹھ کیا جاسکتا ہے، یا ملک کی نوکرسیوں کو اپنے پاؤں کے لیے بچھا یا جاسکتا ہے تاکہ ”قزل ارسلان“ کی بلندیوں کی برابری کی جائے! دل کو خون کا دریا اور آنکھوں کے آنسوؤں سے دریائے جیجون بنایا جاسکتا ہے احتی یہاں تک کیا گیا ہے:

در شعر مپیچ ودر فن او کہ از اکذب اوست احسن او

اس لحاظ سے خوبصورت ترین شعر وہی ہے جو سب سے زیادہ جھوٹ پر مبنی ہو۔

یہ جو قرآن مجید نے شعراء کے بارے میں فرمایا : "الَمْ تَرَى أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ " یعنی:"کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں بظاہر اسی مطلب کی طرف اشارہ ہے چونکہ اکثر شعراء خیالات و شاعرانہ تشبیہات میں غرق ہوتے ہیں۔(2) لیکن جب ہم قرآن مجید کی طرف رجوع کرتے ہیں تو اس میں کسی بھی جگہ جھوٹ پر مبنی مبالغہ نہیں دیکھتے اور اس کے الفاظ و معانی میں جس قدر خوبصورتی اور ظرافت پائی جاتی ہے، وہ سب کی سب حقائق کو بیان کر رہی ہوتی ہے۔اسی لئے ہم قرآن کی متعدد آیات میں پیغمبر اسلام ﷺ پر شاعر ہونے کی تہمت اور قرآن مجید کے شعر ہونے کے شبے کی نفی دیکھتے ہیں۔(3)

یہ حقیقت ہے کہ قرآن شاعرانہ تخیلات سے عاری، شاعرانہ حقیقت سے دور اغراق و مبالغات اور خیالی تشبیہات واستعارات سے خالی ہے اور سوائے یقینی اور قطعی حقائق بیان کرنے کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔اس کے باوجود اس قدر شرین اور دلچسپ ہے کہ اسلام سے کوسوں دور رہنے اور پیغمبر اسلام اللہ السلام کی مخالفت کرنے والوں کو بھی اپنی جانب کھینچ رہا ہے جس کی چند مثالیں قرآن کی جذابیت "کے عنوان سے پیش کی جا چکی ہیں۔

دلچسپ بات یہ کہ تاریخ کے مطابق، عرب کے بہت سے مشہور شعراء جب اپنے آپ کو قرآن مجید کی فصاحت کے مقابلے میں دیکھتے تو دل و جان سے اسلام کے گرویدہ ہو جاتے تھے۔ قدرت مند شعراء میں سے جو لوگ قرآن کی جاذبیت کی وجہ سے مسلمان ہوئے ہیں، ان میں سے ایک : ”لبید" نامی شاعر تھا، جس کے شعر ایام جاہلیت میں معلقات سبع میں شمار ہوتے تھے (معلقات سبع سے مراد وہ سات معروف شعر ہیں کہ جو عربوں کے منتخب اشعار کے عنوان سے کعبہ کی دیوار پر آویزاں کئے گئے تھے)“ حسان بن ثابت" بھی اُن ثروت مند شعراء میں سے ہیں، جو قرآن کی جاذبیت کی وجہ سے مسلمان ہوگئے تھے۔

خنساء" بھی ایک عرب شاعرہ اور نقاد تھی اور ”اعشیٰ" بھی ایسے شعراء میں سے ہے جس کی مثال بہت کم ملتی ہے، یہ دونوں

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

بھی اسلام کی گرویدہ ہو گئیں تھیں اور قرآن کی جاذبیت سے بہرہ مند ہوئی تھیں۔(4)

۵۔قرآن کی فصاحت وبلاغت کے مظاہر میں سے ایک اور چیز اس میں موجود ایک مخصوص آہنگ ہے۔ادیبوں کا کلام یا تو شعر کی صورت میں ہوتا ہے یا نثر میں، قرآن نہ تو شعر ہے، نہ ایک عام اور معمولی نثر ہے۔قرآن ایک مخصوص آہنگ کی حامل نثر ہے جو خود اسی سے مختص ہے، ایسی نثر جو قرآن کی قرائت کرنے والوں میں ایک مکمل آہنگ کی صورت اختیار کر لیتی ہے اگرچہ ہم کے قرآن کے بارے میں موسیقی "کی تعبیر استعمال نہیں کر سکتے، چونکہ موسیقی عرف عام میں منفی مفاہیم سے آلودہ چیز سمجھی جاتی ہے، لیکن مصطفی رافعی " جیسے بعض مشہور عرب اہل قلم نے اپنی کتاب "اعجاز القرآن " میں لکھا ہے :"قرآن کے اسلوب اور روش سے ایسے آہنگ اور لہجے وجود میں آتے ہیں جو ہر سننے والے کو اُسے سننے پر ابھارتے ہیں اور یہ خود ایک قسم کی مخصوص موسیقی ہے جس کی اس زمانے میں اس طرح کے موزوں کلمات میں مثال نہیں ملتی۔قرآن کی یہی نظم وترتیب تھی کہ جس کی وجہ سے عرب طبع کو صفا ملتی تھی اور اُسے جدید طرز کے نظم واسلوب سے متعارف کراتی تھی، جس کی مثال اس سے پہلے کہیں بھی نہیں ملتی۔اس سلسلے میں ایک مغربی دانشور" بولا تنیتلر "کہتا ہے:"یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ انسانی فصاحت، قرآن جیسی تاثیر رکھتی ہے، خصوصاً جب وہ مسلسل اپنے عروج پر ہو اور اُس میں کوئی کمزوری بھی دکھائی نہ دے اور ہر زمانے میں وہ ایک جدید قلعے کو فتح کر رہی ہو، جی ہاں! یہ ایک ایسا معجزہ ہے جس کے سامنے روی زمین پر بسنے والے لوگ اور آسمان کے فرشتے بھی عاجز ہیں۔(5)

ایک دوسرا دانشور کانٹ ہنری دی کستری "کہتا ہے:"اگر قرآن میں معانی کی بلندی اور مبانی کی خوبصورتی نہ بھی ہوتی تو افکار کو فتح کرنے اور تمام دلوں کو اپنی طرف جذب کرنے کے لئے کافی تھا۔(6)

۶۔یہ نکتہ بھی اہمیت رکھتا ہے کہ عام طور پر ہر کلام تکرار کی وجہ سے انسان کو تھکا دیتا ہے، لیکن قرآن اس قدر شیریں ہے کہ کئی سو دفعہ پڑھنے کے باوجود باعث ملال نہیں ہوتا، اس کی جاذبیت اور شیرینی باقی رہتی ہے یہ بات یہ فقط قرآن کے معتقدین میں مشہور ہے بلکہ دوسرے لوگوں نے بھی بارہا اس چیز کو دیکھا ہے۔

یہ وہی چیز ہے کہ جو امام علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام کی ایک مشہور حدیث میں ذکر ہوئی ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا:"ما بَالُ الْقُرْآنِ لا يَزْدَادُ عَلَى النَّشْرِ وَالدَّرْسِ الأَغْضَاضَةَ ؟ یعنی: آخر قرآن اس قدر زیادہ پڑھے جانے اور درس وبحث کے باوجود پرانا نہیں ہوتا؟"

امام نے فرمایا : " لأَنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى لَمْ يَجْعَلْهُ لِزَمَانٍ دُونَ زَمَانٍ وَلا لِنَّاسِ دُونَ نَاسِ ، فَهُوَ فِي كُلِّ زَمَانٍ جَدِيدٌ، وَ عِنْدَ كُلِّ قَوْمِ غَضٌّ إِلى يَوْمِ الْقِيَامَةِ : یعنی: "کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو کسی خاص زمانے یا کسی خاص گروہ کے لئے قرار نہیں دیا۔لہٰذا وہ ہر

زمانے میں تازہ ہے اور ہر قوم و گروہ کے لئے قیامت تک کے لئے طراوت وتازگی رکھتا ہے"۔(7)امام علی بھی ایک مختصر و جامع جملے میں فرماتے ہیں : " لا تُخْلِقُهُ كَثْرَةُ الرَّدِّ وَ وُلُوجُ السَّمْع :قرآن کو بار بار پڑھنا اور سننا، اُسے پرانا نہیں کرتا۔(8)

۷۔فصاحت وبلاغت کی ظرافتوں میں سے ایک الفاظ کی زیادتی سے پرہیز اور اختصار کا لحاظ رکھنے کے باوجود مفہوم اور مراد مکمل رہنا ہے۔جسے اصطلاح میں "ایجاز مخل" اور" اطناب ممل". سے بچنا کہتے ہیں۔

قرآن مجید میں اس بات کا انتہائی لحاظ رکھا گیا ہے، بعض اوقات تو ایک بڑے سے بڑے قصے کو ایک ہی آیت میں بیان کر دیا گیا ہے کہ جس کا ہر جملہ اس قصے کے ایک بڑے حصے کی حکایت کر رہا ہوتا ہے، جس کے قرآن میں بہت زیادہ نمونے دیکھے جا سکتے ہیں۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

اس کا واضح نمونہ قرآن کی یہ معروف آیت ہے : " وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَائَكِ وَيَا سَمَاءُ أَقْلِعِي وَغِيضَ الْمَاءُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ وَقِيلَ بُعْدًا لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ : یعنی : " اور کہا گیا: اے زمین! اپنا پانی نگل جا، اے آسمان رک جا، پانی نیچے چلا گیا اور معاملہ ختم ہو گیا۔ وہ (کشتی) جودی پہاڑ کے دامن میں ٹھہر گئی۔ (اس وقت) کہا گیا کہ ظالم لوگوں کے لئے (خدا کی رحمت سے) دوری ہے۔(9)

یہی وہ آیت ہے کہ جس کے سامنے مشہور عرب ادیب "ابن مقفع" نے گھٹنے ٹیک دیئے تھے کہ جب اس نے اپنے دوستوں کے ساتھ وعدہ کے مطابق قرآن کے چوتھائی حصے کے مقابلے کے لئے اُٹھ کھڑا ہونا تھا، لیکن جب وہ اس آیت پر پہنچا اس کا ہاتھ رُک گیا اور اس نے اپنے آپ کو اس کے مقابلے میں بالکل عاجز اور ناتوان پایا، کیونکہ اس آیت میں پورے اختصار کے باوجود طوفان نوح کے واقعے کو تمام جزئیات کے ساتھ اور چھوٹی چھوٹی بامعنی تعبیرات کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور بعض محققین کے بقول اس میں ادبی صنایع کے ۲۳ نکات (استعارہ، طباق، مجاز، حذف، اشارہ، موازنہ، جناس، سھیم یا ارسال، تقسیم، تمثیل اور ارداف وغیرہ) جمع ہیں۔(10)

۸۔ ادبی لحاظ سے قرآن کی دوسری خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ قرآنی عبارتوں میں ظرافت اور لطافت کے باوجود غیر معمولی " صراحت و قطعیت" پائی جاتی ہے۔

سب جانتے ہیں کہ بولنے والے کے صراحت لہجہ سے سبھی لوگ لذت محسوس کرتے ہیں، چونکہ وہ بغیر کسی لگی لپٹی کے حقائق کو بیان کر دیتا ہے اور ایک انسان کے لئے حقیقت سے زیادہ کوئی چیز لذیذ نہیں ہوتی۔

کلمات کو چبا چبا کر اور چند پہلوؤں کے ساتھ ادا کرنا (اگرچہ بعض خاص حالات میں ایسا کرنا ضروری ہو جاتا ہے) بولنے والے کے اپنے اوپر اور اپنے کلام پر عدم اعتماد کی علامت ہے، یا ایسا سننے والوں کے ڈر و خوف کی وجہ سے ہوتا ہے۔ بہر حال یہ چیز بولنے والے کی کمزوری اور ناتوانی کی حکایت کر رہی ہوتی ہے۔

صراحت اور قطعیت اکثر اوقات غصے اور خشونت کے ہمراہ ہوتی ہے، لیکن اہم چیز یہ ہے کہ صراحت اور قطعیت کے ساتھ ساتھ بیان میں لطافت بھی ہونی چاہیے اور یہ چیز قرآن کی آیات میں بخوبی دیکھی جاسکتی ہے۔

اسلام کے خلاف سب سے اہم محاذ، توحید و شرک کا محاذ تھا۔ لہٰذا قرآن نے اسی میدان میں زیادہ سے زیادہ صراحت و قطعیت دکھائی ہے: ایک قرآن کا فرمان ہے:

إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ - وَإِنْ يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ - ضَعُفَ الطَّالِبُ
وَالْمَطْلُوبُ "

یعنی : " اللہ کو چھوڑ کر تم جنھیں پکارتے ہو وہ سب مل کر ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے بلکہ مکھی اگر کچھ لے لے تو اس سے واپس نہیں لے سکتے اور طالب و مطلوب (عابد و معبود) دونوں ہی بڑے کمزور ہیں۔(11)

جب بت پرست قرآن کی ناقابل برداشت منطق سے فرار کرتے ہوئے اپنے آباؤ اجداد کے سائے میں پناہ لیتے تھے اور کہتے تھے :" بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَائَنَا": ہم تو اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا۔ تو اس وقت قرآن قطعیت کے ساتھ جواب میں فرماتا: " أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ" یعنی: کیا ایسا نہیں کہ ان کے آباؤ اجداد نہ کسی چیز کو سمجھتے ہوں اور نہ ہدایت یافتہ۔ ایک دوسری جگہ، اس سے بھی زیادہ قطعیت کے ساتھ آباؤ اجداد کے آداب و رسوم پر تکیہ کرنے والوں کے جواب میں حضرت ابراہیم علیہ

السلام کی زبانی قرآن فرماتا ہے:"لَقَدْ كُنتُمْ أَنْتُمْ وَ آبَاؤُكُمْ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ"ترجمہ:''یقیناتم اور تمہارے آباؤاجداد بھی کھلی گمراہی میں پڑے رہے ہو۔(13)

پیغمبر اسلام ﷺ پر ایمان کے سلسلے میں فرمایا : " فِيمَا شَجَرَ فَلَا وَرَبِّكَ لا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا"

یعنی : '' تیرے پروردگار کی قسم ! وہ مومن نہیں ہو سکتے مگر یہ کہ وہ اپنے اختلافات میں آپ کو حکم اور فیصلہ کرنے والا مانیں اور پھر آپ کے فیصلہ پر اپنے دل میں کوئی ناراضی محسوس نہ کریں اور اسے مکمل طور پر تسلیم کرلیں"۔(14)

اس طرح فرمان پیغمبرؐ کے ساتھ ظاہر و باطن اور پنہاں وآشکار، حتیٰ کہ دل اور خواہشات کی ہم آہنگی کو سچے ایمان کی شرط قرار دیا اور اس کے ساتھ اس قدر صراحت اور قطعیت کے ہوتے ہوئے ان تعبیرات میں لطافت بھی بالکل واضح ہے۔دوسرے موضوعات میں بھی خواہ وہ مبداء و معاد سے متعلق ہوں یا اجتماعی قوانین اور جنگ وصلح سے متعلق مسائل ہوں یا اخلاقی ابحاث ہوں، یہی قطعیت واضح طور پر دیکھی جاسکتی ہے۔جس کی مکمل تفصیل کے لئے ایک جدا کتاب کی ضرورت ہے۔

۹- عفت بیان اور متانت

معمولاً ان پڑھ لوگ اپنی تعبیرات اور کلمات کی طرف متوجہ نہیں ہوتے، اور اکثر اوقات اپنا مدعا بیان کرتے وقت نزاکت اور ادب سے عاری کلمات استعمال کر جاتے ہیں۔اگرچہ قرآن ایسے ہی لوگوں کے درمیان نازل ہوا ہے، لیکن اُس نے ہرگز اس ماحول کا رنگ نہیں اپنایا اور اپنی تعبیرات وکلمات میں انتہائی متانت وعفت بیان کا خیال رکھا ہے، اس کی وجہ سے قرآن کی فصاحت وبلاغت کو ایک خاص اہمیت حاصل ہوگئی ہے۔

بڑے بڑے خطباء اور اہل قلم جب عاشقی یا اسی قسم کے مسائل کا سامنا کرتے ہیں تو مجبوراً داستان کے اصلی ہیرو کے حقیقی چہرے کی عکاسی کرنے کے لئے اپنی زبان اور قلم کا آزاد چھوڑ دیتے ہیں اور اصطلاحاً کلام کا حق ادا کر دیتے ہیں اور اس طرح ہزار قسم کی گندی اور شہوت انگیزت تعبیرات استعمال ہو جاتی ہیں۔

یا وہ مجبوراً بیان کی نزاکت اور عفت کلام کی خاطر بعض مناظر کو ابہام کے پردوں میں چھپا دیتے ہیں اور اپنے حریفوں کے ساتھ اشارے کنائے میں باتیں کرنے لگتے ہیں۔اور ان دونوں چیزوں یعنی مکمل طور پر واقعیت کو بیان کرنا اور قلم وبیان کو خلاف عفت اور نزاکت کلام سے آلودہ ہونے سے بچانا، ایک بہت ہی مشکل کام ہے جسے کم ہی لوگ انجام دے سکتے ہیں۔

یہ بات کیسے قبول کی جاسکتی ہے کہ ایک ان پڑھ اور انتہائی پس ماندہ اور نیم وحشی ماحول سے اُٹھنے والا شخص، مسائل کو مکمل طور پر بیان کرنے کے ساتھ ساتھ نزاکت وعفت بیان سے دور کوئی معمولی سی تعبیر بھی اختیار نہ کرے۔

مثال کے طور پر جب قرآن مجید حضرت یوسفؑ کے حقیقی واقعے کے بعض حساس مناظر کی منظر کشی کرتے ہوئے ایک ہوس کی ماری خوبصورت عورت کے عشق سوزان کو بیان کرتا ہے تو واقعات کے ذکر کرنے سے چشم پوشی کئے بغیر، ان مطالب کو ابہام واجمال کے پردے میں بیان کرتے ہوئے عفت واخلاق کے تمام اُصولوں کی رعایت کرتا ہے اور کہے جانے والے تمام مطالب کو بیان کر دیتا ہے، لیکن عفت بیان کے اصول سے ذرہ بھر بھی انحراف نہیں کرتا۔مثلاً عشق زلیخا کی خلوت گاہ کا ماجرا، اس طرح بیان کرتا ہے:

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَفْسِهِ وَغَلَّقَتْ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ :

یعنی : '' اور جس عورت کے گھر میں یوسفؑ رہتا تھا اس نے اس سے اپنے مطلب کے حصول کی خواہش کی اور دروازے

JAHAN E TAHQEEQ
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

بند کر دیئے اور کہا کہ اس چیز کی طرف جلدی آؤ جو تمہارے لئے مہیا ہے۔(یوسفؑ نے) کہا: میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں وہ (عزیز مصر) میرا صاحبِ نعمت ہے اور اس نے مجھے محترم جانا ہے (اور میں اس سے خیانت کروں؟ یقیناً ظالم فلاح نہیں پائیں گے۔"(15)

دلچسپ بات یہ کہ قرآن نے یہاں پر "رَاوَدَ" استعمال کیا ہے اور یہ کلمہ اس جگہ کہا جاتا ہے کہ جہاں کوئی نرمی اور ملائمت کے ساتھ اصرار کے ساتھ کسی چیز کا انسان سے تقاضا کرے، یہ ایک ایسا کلمہ ہے جو اپنا مقصد بیان کرنے کے ساتھ مکمل ہم آہنگ ہے۔دوسری جانب زلیخا یا عزیز مصر کی بیوی کا نام تک نہیں لیا جاتا، بلکہ کہا جاتا ہے: "الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا " یعنی جس عورت کے گھر میں یوسفؑ رہتا تھا تاکہ یوسفؑ کی حق شناسی کے نکتے کو مجسم کیا جاسکے اور اس کے ساتھ اس قسم کی (عورت) کے مقابلے میں اُن کے مقام تقویٰ کو بھی بیان کیا جائے کہ جس کے نیچے (قدرت) میں اُن کی زندگی تھی، لیکن پھر بھی اُنھوں نے استقامت و پائیداری دکھائی۔ تیسرا یہ کہ جملہ "غلقت الأبواب " یعنی "تمام دروازے محکم بند کردیئے" باب تفعیل کے مصدر کے حکم میں مبالغہ کا معنی دے رہا ہے، جس سے پتا چلتا ہے کہ یہ واقعہ کن سخت ترین حالات میں وقوع پذیر ہوا ہے۔ چوتھا نکتہ یہ کہ جملہ "قَالَتْ هَيْتَ لَكَ " یعنی : " اس چیز کی طرف جلدی آؤ جو تمہارے لئے مہیا ہے "ان آخری کلمات کی حکایت کر رہا ہے جو زلیخا نے یوسفؑ کے وصال کے لئے کہے ہیں، لیکن یہ جملے کس قدر سنگینی، متانت اور عفت بیان کے حامل ہیں اور کسی قسم کے بُرے اثرات نہیں چھوڑ رہے۔ پانچویں اہم بات یہ کہ حضرت یوسفؑ کے اس فرمان "مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ" کہ جو اُنھوں نے زلیخا کے جواب میں کہا، میں زلیخا کے لئے ایک تنبیہ اور نصیحت ہے کہ میں تو اس گھر میں چند دن ہی رہا ہوں، لیکن اس گھر کے مالک کے ساتھ کسی قسم کی خیانت نہیں کر رہا کہ جس کا میں نے نمک اور رزق کھایا ہے جبکہ تو اس گھر میں پوری عمر رہی ہے، تو کیوں خیانت کر رہی ہے؟

اس کے بعد والی آیات کہ جن کی تفصیل بہت طولانی ہو جائے گی، بہت ہی خوبصورتی کے ساتھ اس قصے کی تفصیل بیان کرتی ہیں اور اس میں خواہشات و ہوس کی امواج کے سامنے پائیداری دکھانے اور اس موقع پر اپنے آپ کو خدا کے سپرد کرنے کے نیک انجام کی بہت ہی دلچسپ منظر کرنے کے نیک انجام کی بہت ہی دلچسپ منظر کشی کرتی ہیں۔

ایک دوسری آیت میں جب اپنے آپ کو اس تہمت سے بری ذمہ قرار دینے کے لئے زلیخا نے ایک دعوت کا اہتمام کیا اور اس وقت اس دعوت میں آنے والی مہمان مصری عورتوں کے احساسات و جذبات کو ایک مختصر جملے میں بیان کرنا چاہا تو فرمایا : فَلَمَّا رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَهُ وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا هَذَا بَشَرًا إِنْ هَذَا إِلا مَلَكٌ كَرِيمٌ " یعنی : " جب ان کی نگاہ اس (یوسفؑ کے خوبصورت چہرے) پر پڑی تو وہ دنگ رہ گئیں اور بے اختیار) انھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور کہا: حاشاللہ یہ بشر نہیں ہے، یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ " مَلَكٌ كَرِيمٌ "(بزرگ فرشتے) کی تعبیر حضرت یوسفؑ کی غیر معمولی خوبصورتی کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اُن کی اعلیٰ درجے کی پاکدامنی کو بھی ظاہر کر رہی ہے۔ جیسا کہ عام طور پر ایسی تعبیرات کے ذریعے کسی فرد کی تعریف کرتے ہوئے کہا جاتا ہے: یہ تو فرشتہ ہے۔ اور پھر اس کے بعد بہت ہی خوبصورت اور گویا جملوں میں حضرت یوسفؑ، یعنی؛ عفت و پاکدامنی کے اس مجسمے کے مقام و مرتبے کو اس واقعے میں مکمل طور پر ظاہر کیا جاتا ہے۔

۱۰۔ قرآنی مثالیں قرآن مجید نے حقائق بیان کرنے کے لئے بہت سی مثالوں" سے استفادہ کیا ہے۔ جن کا مجموعہ اس عظیم الٰہی کتاب کی فصاحت و بلاغت کے واضح مظاہر میں سے ہے۔ ان مثالوں میں جس باریکی بینی سے کام لیا گیا ہے اور اُن میں سے ہر مثال میں جو ظریف و دقیق اور دلنشین نکات استعمال ہوئے ہیں، وہ انسان کو حیرت زدہ کر دیتے ہیں۔ بنیادی طور پر (علمی) مباحث کی توضیح و تفسیر میں مثال کا کردار ناقابل انکار ہے۔ اسی لئے کسی بھی اہم علمی موضوع میں ہمارے لئے حقائق کی وضاحت کرنے اور انہیں ذہن کے نزدیک کرنے کے لئے مثال کا ذکر کرنا ناگزیر ہوتا ہے۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

چونکہ بعض اوقات مقصد و مراد سے مناسبت رکھنے والی ہم آہنگ مثال پیچیدہ ترین مطلب کو آسمان سے زمین پر لے آتی ہے اور وہ مطلب سب کے لئے قابل فہم بن جاتا ہے۔ لٰہذا دنیا کے فصیح و بلیغ اور ادیب و شاعر لوگوں کا ایک بڑا فن و ہنر یہی تمثیل گوئی سے کام لینا ہے۔ زمخشری اپنی تفسیر کشاف "میں مثل" کے بارے میں کہتا ہے: عرب زبان میں مَثَل در حقیقت مِثْل، یعنی؛ نظیر کے معنی میں ہے۔ اُن کے نزدیک ضرب امثال اور علماء کا امثال میں بات کرنا ایک بلند شان رکھتا ہے۔ چونکہ اس سے مخفی معانی سے پردہ اُٹھ جاتا ہے، تاریک نکات روشن ہو جاتے ہیں یہاں تک تا کہ ایک مُخَیّل (خیال شدہ) چیز مسلم و ثابت ہو جاتی ہے، مشکوک شئ، یقینی بن جاتی ہے اور غائب، شاہد میں جلوہ گر ہو جاتا ہے۔ اسی لئے کتاب قرآن مبین اور دوسری تمام الٰہی کتب میں اللہ تعالیٰ نے بہت زیادہ مثالیں ذکر کی ہیں۔

مثالوں کے چند فائدے ہوتے ہیں، یہ عقلی مسائل کو حسی بنا دیتی ہیں، دور کے راستوں کو نزدیک کر دیتی ہیں، ان سے مطالب سب کے لئے قابل فہم ہو جاتے ہیں، مثال مسائل کو زیادہ قابل اطمینان بنا دیتی ہے اور ایک مناسب و اچھی مثال ضدی سے ضدی انسانوں کو بھی خاموش کر دیتی ہے۔ (17) بعض محققین نے قرآنی مثالوں کو ایک کتاب کی شکل میں جمع کیا ہے اور ایک سو سے زیادہ قرآنی مثالوں کے بارے میں تحلیل و تجزیہ کیا ہے۔ در حقیقت قرآنی مثالیں ایک معجزہ ہیں۔ اس حقیقت کے ادراک کے لئے ان میں سے کچھ مثالوں کے بارے میں ایک دقیق تحقیق پیش کی جا رہی ہے۔

قرآن کی معجزانہ مثالوں کے چند نمونے جب قرآن حق و باطل کی ایک دقیق منظر کشی کرنا چاہتا ہے تو فرماتا ہے:

أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ۚ وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهُ ۚ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۚ فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً ۖ وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ ۚ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ ترجمہ: " اللہ نے آسمان سے پانی بھیجا اور ہر درہ اور دریا سے ان کی مقدار کے مطابق سیلاب اُمڈ پڑا پھر پانی کے ریلوں پر جھاگ پیدا ہو گئی۔ اور جن (بھٹیوں) میں زیورات یا اسباب زندگی تیار کرنے کے لئے آگ روشن کرتے ہیں، ان سے جھاگ نکلے گی۔ اس طرح اللہ حق و باطل کی مثال بیان کرتا ہے، لیکن جھاگ ایک طرف ہو جاتی ہے (اور بہت جلد ختم ہو جائے گی) اور لوگوں کے لئے فائدہ رساں چیز (پانی یا خالص دھات) زمین میں باقی رہ جاتی ہے۔ اللہ اسی طرح مثال بیان کرتا ہے"۔ (18)

معانی سے پُر اس مثال میں کہ جو بہت موزوں الفاظ و عبارات کے ساتھ بیان کی گئی ہے، حق و باطل کی منظر کشی بہترین شکل میں کی گئی ہے اور اس میں بہت ہی اہم حقائق پوشیدہ ہیں، جن میں سے کچھ کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

۱۔ حق و باطل کی شناخت بعض اوقات اس قدر پیچیدہ ہو جاتی ہے، جس کے لئے علامتوں کی طرف جانا ضروری ہو جاتا ہے۔

۲۔ حق ہمیشہ مفید اور فائدہ مند ہوتا ہے۔ گویا صاف و شفاف پانی کی طرح حیات و زندگی کا سرمایہ ہے یا خالص دھاتوں کی طرح ہے جو یا تو زینت کے لئے یا اسباب زندگی کے لئے استعمال ہوتی ہیں۔

۳۔ حق، ہمیشہ اپنے اوپر بھروسہ کرتا ہے، لیکن باطل، حق کی آبرو سے مدد لیتے ہوئے اپنے آپ کو اس کے لباس میں پیش کرنے کی سعی کرتا ہے اور اس کی حیثیت و آبرو سے اُسی طرح فائدہ اُٹھاتا ہے، جس طرح ہر جھوٹ، سچائی سے روشنی حاصل کرتا ہے۔ اگر دنیا میں سچائی نہ ہوتی تو کوئی بھی جھوٹ پر یقین نہ کرتا۔ اسی طرح اگر حق نہ ہوتا تو باطل کے لئے بھی کوئی گنجائش نہ ہوتی۔

۴۔ ہمیشہ ہر موجود اپنی ظرفیت کے مطابق بہرہ مند ہوتا ہے، جس طرح ہر درے سے اُس کی گنجائش کے مطابق بارش کا پانی بہتا ہے۔

۵۔ باطل ہمیشہ پریشانیاں پیدا کرنے کی سعی کرتا ہے۔ جیسا کہ سیلاب جب پہاڑوں سے جوش و خروش کے ساتھ بہنا شروع کرتا ہے تو جھاگ بھی اپنے ساتھ لاتا ہے، لیکن جب وسیع و عریض میدانوں میں پہنچتا ہے تو اس کا جوش و خروش ختم ہو جاتا ہے اور جھاگ بھی ختم ہو جاتی ہے۔

JAHAN E TAHQEEQ
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

۶۔ باطل فقط ایک لباس میں ظاہر نہیں ہوتا، بلکہ وہ ہر لحظہ اپنا رنگ ولباس بدلتا رہتا ہے۔ جس طرح جھاگ پانی پر پیدا ہوتی ہے، اسی طرح بھٹیوں میں دھاتوں کے پگھلنے سے) بھی جھاگ پیدا ہوتی ہے۔ بنابریں ان کی رنگارنگی سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے۔ حق و باطل کی پہچان رکھنے والی آنکھوں کو انہیں ہر رنگ ولباس میں پہنچان لینا چاہیے۔

۷۔ حق و باطل کی جنگ دائمی ہے۔" یہ میٹھے اور کھارے پانی رگ رگ ہوتا ہے اور تا قیامت خلائق میں یہ جنگ رہتی ہے۔ جس طرح آسمانوں سے بارش برستی رہتی ہے اور بھٹیوں میں دھاتیں پھلتی رہتی ہیں، اسی طرح (حق و باطل کی جنگ بھی ہمیشہ جاری رہتی ہے۔

۸۔ باطل ظاہر اور آنکھوں میں آنے والا، لیکن اندر سے خالی ہوتا ہے۔ مگر حق متواضع، خاموش اور ہنر نما ہوتا ہے۔

اس آیت میں غور وفکر سے اس مثال میں بہت سے دوسرے نکات بھی مل سکتے ہیں۔ یہ قرآنی مثالوں کا ایک نمونہ تھا۔ بہت سی دوسری مثالیں بھی ہیں، مثلاً: اللہ کی راہ میں انفاق اور اس کی (گندم کے دانوں اور خوشوں سے تشبیہ۔ (سورہ بقرہ: ۲۶۱)

ریاکارانہ اعمال کی اس بارش سے تشبیہ جو سنگ خارا پر برستی ہے کہ جس پڑی ہوئی تھوڑی بہت گرد وغبار کو صاف کر دیتی ہے اور ختم ہو جاتی ہے۔ جبکہ خالصانہ عمل اس بارش کی طرح ہے جو سورج کی کرنوں اور صاف وشفاف ہوا کے سامنے پھیلی ہوئی زرخیز زمین پر برستی ہے۔ (سورہ بقرہ : ۲۶۴،۲۶۵)

کفار کے اعمال کو ہوا کے سامنے خاکستر سے تشبیہ دینا (سورہ ابراہیم : ۱۸)

یا سراب سے تشبیہ دینا (سورہ نور: ۳۹)

یا آسمان پر بادلوں کے پھیل جانے سے سمندر میں یا رات کے وقت پھیلی ہوئی ظلمت وتاریکی سے تشبیہ دنیا (سورہ نور: ۴۰) منافقین کے اعمال کو ایک ایسے شخص سے تشبیہ دینا جو تاریک رات میں، کسی بیابان میں راستہ گم کر بیٹھتا ہے، اور گرج چمک سے لرزنے لگتا ہے۔ ایک لحظے کے لئے چمکتی ہوئی بجلی کی روشنی میں چلنے کی سعی کرتا ہے، لیکن ایک بار پھر تاریکی چھا جاتی ہے اور اس کی نظروں میں سب کچھ تاریک ہو جاتا ہے۔ (سورہ بقرہ: ۱۹،۲۰)

بت پرستوں کے شعور وقدرت سے خالی بتوں پر بھروسہ کرنے کو (خانہ عنکبوت) مکڑی کے جالے سے تشبیہ دنیا۔ (سورہ عنکبوت: ۴۱)

غیبت کرنے والوں کو اس شخص سے تشبیہ دینا جو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھاتا ہے۔ (سورہ حجرات: ۱۲)

اور پھر اللہ تعالی کی ذات پاک کو آسمانوں اور زمین کے نور اور پھر اس نور کو خاص خصوصیات کے حامل چراغ سے تشبیہ دینا، اپنے اندر انواع واقسام کی ظرافتیں رکھتا ہے (سورہ نور: ۳۵)

اسی طرح بہت سی دوسری مثالیں کہ جن کو یہاں ذکر کرنا طولانی ہونے کا باعث بنے گا، یہ سب قرآن کی فصاحت وبلاغت کو ظاہر کرتی ہیں اور ہمیں ان اقدار اور اقدار مخالف چیزوں سے آشنا کراتی ہیں جن کا سامنا ہمیں اپنی زندگی میں کرنا پڑتا ہے۔ اور اس طرح خوبصورت مثالوں کی شکل میں معارف کی ایک دنیا ہم پر کھل جاتی ہے۔

خلاصہ بحث

قرآن کی فصاحت وبلاغت اس کی الہامی حیثیت کی دلیل ہے۔ اس مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کی زبان کی خوبیاں اور ادبی انداز اسے ایک لازوال اور مؤثر کتاب بناتے ہیں جو ہر دور میں لوگوں کو ہدایت فراہم کرتی ہے۔ قرآن کا اسلوب بیان، الفاظ کی ترتیب اور معنی کی گہرائی اس کے پیغام کی تاثیر کو بڑھاتی ہیں اور اسے ایک عظیم کتاب ثابت کرتی ہیں۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2, 2024

****

حوالہ جات

1-عیون الاخبار بحوالہ تفسیر نور الثقلین/ج ا ص ۴۳، یہ حدیث کافی اور بحار الانوار میں بھی نقل ہوتی ہے۔
2-شعراء/۲۲۵
3-قرآن کی تین آیات میں مشرکین کی طرف سے یہ تہمت نقل ہوئی ہے:(سورہ انبیاء ۵ سورہ صافات، سورہ طور (۳۰) اور دو آیات میں تو اللہ تعالی واضح طور پر اپنے رسول سے اس نسبت کی نفی فرما رہا ہے۔(سورہ یٰس / ۶۹ اور سورہ حاقہ ۴۱۷)
4-شیوہ ھای اعجاز قرآن/صفحہ ۷۷
5-اثبات الھداۃ/ج ا ص ۲۲۳ کے حواشی
6-ایضاً صفحہ ۲۲۲
7-میزان الحکمۃ/جلد ۸/ ص ۷۰
8-نہج البلاغہ/خطبہ ۱۵۶
9-ہود/۴۴
10 –شیوہ ہای اعجاز قرآن/صفحہ ۵۲
11- حج/۷۳
12-بقرہ/۱۷۰
13-انبیاء / ۵۴
14-نار/۶۵
15- یوسف / ۲۳
16- یوسف /
17-امثال القرآن/صفحہ ۱۲۰
18-رعد/۱۷